عبد اللہ بن ابی منافق

کی نماز جنازہ

شارح حدیث

علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ رحمہ

عبداللہ بن ابی منافق کی نماز جنازہ

شارح حدیث۔علامہ سیّدی احمد سعید کاظمی کریم قدس سرہٗ

حدثنا مُسددٌ قال حدثنا یحییٰ بن سعید عن عبید اللہ قال حدثنی نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ، ان عبداللہ بن ابی لما توفی جاء ابنہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یارسول اللہ اعطی قمیصك اکفنہ فیہ ، وصل علیہ واستغفر لہ ۔فاعطاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قمیصہ فقال: آذنی اُصلی علیہ۔فآذنہ ۔فلما ارادأن یصلی علیہ جذبہ عمر رضی اللہ عنہ فقال :الیس اللہ قد نہاك ان تصلی علی المنافقین ؟ فقال :انا بین خیرتین ، قال(استغفرلھن اَو لا تستغفرلھم اِن تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم) فصلی علیہ۔ فنزلت (ولا تصل علیٰ احدٍمنھم مات ابدًاولا تقم علی قبرہ)

(صحیح بخاری : حدیث۱۲۶۹)

حدثنا مالك بن اسمٰعیل قال حدثنا ابن عیینۃ عن عمرو سمع جابرا قال اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن ابی بعد ما دفن فاخرجہ فنفث فیہ من ریقہ و اکبسہ قمیصہ۔

(بخاری، کتاب الجنائز،حدیث ۱۲۷۰)

ترجمہ۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روائت ہے کہ عبداللہ بن اُبی (منافق) مرگیا تو اس کا بیٹا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ! مجھے اپنا کرتہ دیں اس کو اس میں کفن دوں ، اور آپ اس نماز پڑھیں اور اس کے لئے مغفرت کی دُعا کریں ، نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کرتہ اسے دیا اور فرمایا مجھے اطلاع کرنا میں اس پر نماز پڑھوں گا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس نماز پڑھنے کا ارادہ فرمایا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کا دامن کھینچا اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منافقوں پر نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا مجھے دونوں باتوں کا اختیار دیا گیا ہے (یعنی ان کے لئے دُعا کروں یا نہ کروں)، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''ان کے مغفرت کی دُعا کریں یا نہ کریں، اگر ان کے لئے ستر بار مغفرت کی دُعا کریں اللہ ان کو ہرگز نہ بخشے گا'' پس آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی تو آئت کریمہ نازل ہوئی ''اور ان (منافقوں) میں سے جو مر جائے اس کی نماز جنازہ ہرگز نہ پڑھیں اور نہ ان کی قبر پر کھڑے ہوں''۔

ترجمہ۔ سفیان بن عیینہ نے عمرو سے روایت کی انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن اُبی کے پاس تشریف لے گئے جب کہ اُسے دفن کر دیا تھا، اُسے نکالا گیا تو آپ نے اُس کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور اُسے اپنی قمیص پہنائی۔

شبہات

حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اُبی منافق کی نماز جنازہ پڑھائی، اس کے لئے استغفار فرمایا، اپنی قمیص مبارک اور لعاب دہن اقدس اسے عطا فرمایا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی چیز کا فائدہ متحقق نہ ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا **اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ۔**

(سورۃ التوبہ، آیت ۸۰)

'' آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں، اگر ستر مرتبہ بھی آپ ان کے لئے استغفار کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا''۔

اس واقعہ سے حسب ذیل شکوک پیدا ہوئے :

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر اس بات کا علم ہوتا کہ عبداللہ بن ابی کی مغفرت نہ ہو گی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے ہرگز استغفار نہ فرماتے، نہ اس کی نماز جنازہ پڑھتے۔

۲۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار ہوتا تو اپنی دُعا اور استغفار کو نیز قمیص مبارک اور لعاب دہن اقدس کو بے فائدہ ہونے سے بچا لیتے اور عبداللہ بن ابی کو فائدہ پہنچا دیتے۔ جب ایسا نہ ہو سکا تو معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح علم نہ تھا ایسے ہی اختیار بھی نہ تھا۔

واقعہ عبداللہ بن اُبی منافق

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول، بنو حبلیٰ کا سردار اور یثرب کا ذی اثر آدمی تھا، لوگوں کا خیال تھا کہ اسے اپنا سردار مان لیں، لیکن جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے، پھر وہ اس حیثیت میں نہ رہا کہ لوگ اسے اپنا سردار مان لیں، یہ ایسا صدمہ تھا جو اس کے لئے نفاق کا مرض بن گیا، جب اس نے دیکھا کہ اسلام دن بدن پھیلتا جا رہا ہے تو اس نے مجبور ہو کر بظاہر مسلمان ہونے کا اعلان کیا، لیکن اس کے دل میں عداوت تھی اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو بڑا عناد تھا، در پردہ سازشوں سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے درپئے آزار رہتا تھا اور چاہتا تھا کہ کوئی موقع ملے تو میں نقصان پہنچاؤں، بہ ہر حال اُس نے کسر نہ چھوڑی، جہاں جہاں اس کو موقع ملا اس نے نقصان پہنچانے کی پوری کوشش کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو ذلیل کیا۔

۱۰ ہجری میں شوال کے آخر میں بیس دن بیمار رہ کر وہ مر گیا، اس کا بیٹا (حباب) جس کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ رکھا، جو مخلص صالح مومن تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی حضور! میرا والد فوت ہو گیا ہے، آپ اپنا کرتہ شریف عنایت فرمائیں تا کہ اس کو اس میں کفن دوں اور آپ اس کی نماز جنازہ بھی پڑھائیں اور اس کی مغفرت کی دُعا بھی فرمائیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس استدعا کو قبول فرمالیا، کیونکہ مومن کا دل خوش

کرنا بھی عبادت اور بڑی نیکی ہے۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے تشریف لے گئے، جب آپ نے اس پر نماز پڑھنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو منافقین پر نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے دونوں باتوں کا اختیار دیا گیا ہے (کہ مغفرت طلب کروں یا نہ کروں)، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے آپ ان کے لئے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں اگر آپ ستر مرتبہ بھی ان کی مغفرت طلب کریں تو اللہ ان کو نہ بخشے گا، اور ایک روایت یہ بھی ہے :

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ انہ قال لما مات عبداللہ بن ابی سلول دُعی لہ رسول اللہ ﷺ یصلی علیہ فلما قام رسول اللہ ﷺ وثبت الیہ فقلت یا رسول اللہ اتصلی علی ابن ابی وقد قال یوم کذا وکذا، کذا وکذا اُعدد علیہ قولہ۔ فتبسم رسول اللہ ﷺ وقال اخر عنی یا عمر فلما اکثرت علیہ قال :انی خیرت فاخترت ۔ لو اعلم انی ان زدت علی سبعین یغفر لہ لزدت علیھا ۔ قال فصلی علیہ رسول اللہ ﷺ، ثم انصرف فلم یمکث الا یسیرا حتی نزلت الآیتان من براء ۃ (ولا تصل علی احد منھم مات ابدا۔ الی ۔ وھم فاسقون) قال :فعجبت بعد من جرأتی علی رسول اللہ ﷺ یو مئذ ، واللہ ورسولہ اعلم۔ (صحیح بخاری، حدیث ۱۳۶۶)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ عبداللہ بن ابی پر نماز پڑھتے ہیں حالانکہ اُس نے فلاں فلاں روز ایسا کہا تھا اور اُس کی باتیں شمار کیں، تو حضور نبی کریم ﷺ نے مسکرا کر فرمایا اے عمر مجھ سے پرے ہٹ جاؤ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زیادہ عرض کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا میں اختیار دیا گیا ہوں (کہ مغفرت طلب کروں یا

چھوڑ دوں) اگر میں جانتا ہوتا کہ ستر مرتبہ سے زیادہ مغفرت طلب کرنے سے اس کی بخشش ہوگی تو میں ضرور کرتا، پس آپ نے نماز جنازہ پڑھی یہاں تک سورہ توبہ کی دو آیتیں نازل ہوئیں

وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَداً وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُواْ بِاللّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُواْ وَهُمْ فَاسِقُونَ (سورۃ التوبہ، آیت ۸۴)

''اور آپ ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھیں اور نہ (کبھی) ان میں سے کسی کی قبر پر کھڑے ہوں بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ نافرمان ہونے کی حالت میں مر گئے''۔

یہ سب کچھ میرے آقا حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی اس رحمت کی بنا پر کیا جو دوست اور دشمن سب کے لئے عام تھی، یہی وجہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اس بدترین دشمن کے حق میں دعائے مغفرت کرنے میں تامل نہ کیا، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ممانعت میں آیت نازل ہوئی تو پھر اس کے بعد آپ نے کبھی بھی کسی منافق کی نماز نہیں پڑھائی۔

حضور نبی کریم ﷺ پر شفقت کا ایسا غلبہ تھا کہ اُس غلبہ حالِ رحمت میں جو نبی کریم ﷺ کی شفقت تھی وہ بے اختیار عام ہوگئی اور اُس عموم شفقت غلبہ حال کا جو طاری ہونا تھا وہ حضور ﷺ کے رحمۃ اللعالمین ہونے کا مظہر تھا، جب کریم پر رحمت اور سخاوت کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ یہ نہیں دیکھتا کہ یہ رحمت کا حق دار ہے یا نہیں، جب بارانِ رحمت ہوتی ہے تو یہ نہیں ہوتا کہ شور والی زمین پر بارش نہ ہو اور اچھی زمین پر ہو، بلکہ جب رحمت کی بارش برستی ہے تو ہر جگہ برستی ہے، یہ رحمت عام ہے، اس وقت حضور ﷺ کے لئے یہ حکم نہیں تھا کہ مغفرت نہ کریں بلکہ یہ فرمایا کہ ان کے لئے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں، اگر ستر مرتبہ بھی ان کی مغفرت طلب فرمائیں تو ان کی مغفرت نہ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو کوئی ایسا حکم نہیں دیا تھا کہ آپ ان کے حق میں استغفار نہ فرمائیں جو معصیت قرار پائے، اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی ہوتی تو معصیت ہوتی، لیکن اللہ

تعالیٰ نے کوئی حکم نہیں دیا، کیونکہ اس سے پہلے ممانعت مشرکین کے حق میں تھی اور یہ منافقین کا معاملہ تھا مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْن

(سورۃ التوبہ: آیت ۱۱۳)

نبی اور ایمان والوں کی شان کے لائق نہیں کہ وہ مشرکوں کے لئے مغفرت طلب کریں۔تو یہاں مغفرت طلب کرنے سے تو اللہ تعالیٰ نے منع نہیں فرمایا بلکہ فرمایا اگر آپ اللہ تعالیٰ سے ستر مرتبہ بھی ان کی مغفرت طلب فرمائیں تو اللہ تعالیٰ ان کو معاف نہیں کرے گا۔

شاید کوئی یہ سوچے کہ پھر تو حضور ﷺ کی دُعا قبول نہ ہوئی ،تو یہ بات نہیں ہے، یہ غلط ہے، کیونکہ حدیث شریف میں ہے لکل نبیٌ دعوۃٌ مستجابۃ (بخاری: حدیث ۶۳۰۴) یعنی ہر نبی مستجاب الدعوات ہے،اور حدیث میں ہے کہ ہر نبی کے لئے ایک دُعا ہے جو ضرور قبول کی جائے گی، اس سے معلوم ہوا کہ بعض دعائیں قبول نہیں کی جاتیں، یہ غلط ہے، اس کا مفہوم یہ نہیں ہے،اس پر ایک اصولی بات کہہ دوں وہ ذہن میں رکھئے ، ہمارا ایمان ہے کہ مومن کی دُعا بھی اگر شرائط دعا کے ساتھ متصف ہو تو ردّ نہیں ہوتی اور نبی کی دُعا کے متعلق یہ مومن کے ذہن میں آ ہی نہیں سکتا کہ وہ ردّ ہو جائے ،قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وقال ربکم ادعونی استجب لکم ،میرے بندو مجھ سے دعا مانگو میں قبول کروں گا، عام بندوں کے لئے ہے کہ تم دعا کرو میں قبول کروں گا تو نبی کے لئے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تم دعا کرو میں قبول نہیں کروں گا، شاید کوئی یہ سوچے کہ نبی غلط دُعا مانگے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا رب ارنی حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ کا جمال بشری آنکھوں کے ساتھ نہیں ہوسکتا ،تو میں کہتا ہوں کہ جو غلط دُعا مانگے وہ نبی ہو ہی نہیں سکتا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کہا کہ رب ارنی حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ کا جمال بشری آنکھوں کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔

یہ نہ ہوسکنا محال عادی ہے، محال عقلی نہیں ہے اور یہ محال ہوتا حقیقتاً تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کبھی ان لفظوں میں دعا نہ فرماتے ،اُن کا دعا فرمانا دلیل ہے کہ یہ ممکن ہے نفسہٖ، کیونکہ امر

غیر ممکن کی دعا نبی کے لئے جائز نہیں، مقام نبوت بہت بلند ہے، غیر ممکن دعا نبی کر ہی نہیں سکتا اور اجابت دعا تو حق ہے یہ ممکن نہیں کہ اجابت نہ ہو، لیکن اجابت کی انواع ہیں۔

اجابت کی پہلی قسم یہ ہے کہ مانگنے والے نے جو چیز مانگی وہی چیز بعینہٖ عطا کر دی جائے۔ انبیاء علیہم السلام کی دعائیں کلیۃً اسی نوعیت کی ہوتی ہیں، الا ماشاء اللہ، لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نبی کی دعا تو قبول فرمائے لیکن بعینہٖ قبول کرنے کی بجائے اس کی مثل عطا فرمادے، اور یہ کیوں؟ اس لئے نہیں کہ جو چیز نبی نے مانگی وہ اللہ تعالیٰ دے نہیں سکتا یا جو چیز نبی نے مانگی وہی مل جانی چاہئے تھی یہ بات نہیں، بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کے دامن میں نبی کی اُمت کو رکھتا ہے، تو اُمت کی بعض ایسی دُعائیں ہوں گی جو بعطائے مثل کے ماتحت اجابت ہوں گی، اگر نبی کی کوئی دعا اس نوعیت کے ساتھ مستجاب نہ ہو تو پھر اُن کی اُمت کی اُن دعاؤں کو کس کے دامن میں پناہ ملے گی، اس حکمت کے لئے انبیاء علیہم السلام کی بعض دعائیں ایسی ہوتی ہیں جو مستجاب تو یقیناً ہوتی ہیں لیکن کبھی بعطائے مثل کے تحت ان کی اجابت ہوتی ہے۔

میں اس مسئلہ کی وضاحت کر دوں کیونکہ عربی کے الفاظ علماء تو سمجھ سکیں گے لیکن جو عربی نہیں جانتے اُن کے لئے عرض کرتا ہوں کہ ایک آدمی نے دُعا کی کہ اے اللہ مجھے ایک ہزار روپئے عطا فرمادے، اب سجدے سے سر اُٹھایا تو ایک ہزار روپیہ مل گیا، یعنی جو مانگا وہی مل گیا، یہ اجابت کی پہلی قسم ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہزار روپیہ کی دُعا کی، وہ ہزار روپیہ تو نہیں ملا مگر اُس رقم کے برابر وہی چیز عطا فرمادی، اس میں حکمت تھی کہ اُس کو وہی چیز درکار تھی اور اگر یہ ہزار روپئے خرچ کرتا تو وہی چیز مل نہیں سکتی تھی، تو اللہ تعالیٰ نے وہی چیز عطا فرمادی جو اس کے لئے مناسب تھی۔

تیسری قسم اجابت کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ اے اللہ مجھے ایک ہزار روپئے

عطا فرمادے، اَب نہ تو ہزار روپئے ملے اور نہ اس کی مثل کوئی چیز ملی، اَب آپ کہیں گے کہ دُعا قبول نہ ہوئی، تو ایسا نہیں، آپ پر کوئی مصیبت آنے والی تھی وہ اس ہزار روپیہ سے بھی رفع نہ ہوتی، وہ مصیبت ٹال دی، اس مصیبت کا ٹلنا اس دُعا پر تھا کہ یہ بندہ دُعا کرے اور میں اس مصیبت کو ٹال دوں۔

چوتھی قسم یہ ہے کہ بندے نے دُعا کی اے اللہ مجھے ایک ہزار روپیہ عطا فرمادے، اَب نہ تو ہزار روپیہ ملا، نہ اس کی مثل کوئی چیز ملی اور نہ ہی کوئی مصیبت ٹلی، اَب کوئی بات بھی نہ ہوئی، تو عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی دُعا کو آخرت کا ذخیرہ بنا دیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی اجابت کو فانی دنیا کے لئے پورا نہ کیا بلکہ باقی رہنے والی اجابت کی صورت میں پورا کیا، تو ذخیرہ آخرت کسی دُعا کا بن جانا یہ بھی اجابت ہے۔

اَب گذارش ہے کہ حضور ﷺ کا عبداللہ بن ابی کے حق میں استغفار اور اس کی نماز جنازہ وعلیٰ ھذا القیاس قمیص مبارک ولعاب دہن اقدس کا اعطاء عبداللہ بن ابی کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے نہ تھا بلکہ کسی دوسرے مقصد کے لئے نبی کریم ﷺ نے یہ سب کچھ کیا اور وہ یہ تھا کہ اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام لے آئیں چنانچہ ایسا ہی ہوا، پھر یہ کہ نبی اکرم ﷺ کا ایسے موذی منافق کو انتہائی کرم سے نوازنا عظیم ترین مکارم اخلاق کا ثبوت ہے، اور قمیص مبارک کا مقصد بھی اس کو نفع پہنچانا نہ تھا بلکہ مکافاۃ مقصود تھی، کیونکہ عبداللہ بن ابی نے عم رسول ﷺ حضرت عباس بن عبدالمطلب کو بدر کے موقع پر اپنی قمیص پہنائی تھی، رسول اللہ ﷺ کی غیرت نے اس بات کا تقاضا نہ فرمایا کہ اس کے اس فعل کو مکافاۃ اور بدلے کے بغیر چھوڑ دیا جائے، دیکھئے تفسیر خازن میں ہے :

" وقال الشيخ محى الدين النووى انما أعطاه قميصه ليكفنه فيه طيبالقلب ابنه عبدالله :فانه كان صحابيه صالحا وقد سأل ذلك فاجا به اليه وقيل بل أعطاه مكافاة لعبد الله بن ابى المنافق الميت لانه ألبس العباس حين

أسر يوم بدر قميصا وفي الحديث بيان مكارم أخلاق النبي صلى الله عليه وسلم فقد علم ماكان من هذا المنافق من الايذاء له وقابله بالحسنىٰ وألبسه قميصه كفنا وصلى عليه واستغفر له قال الله سبحانه وتعالىٰ وانك لعلى خلق عظيم :وقال البغوي سفيان بن عيينه كانت له يد عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فاحب ان يكافئه بها ويروى ان النبي صلى الله عليه وسلم كلم فيما فعل بعبد الله بن ابى فقال صلى الله عليه وسلم وما يغني عنه قميصي وصلاتي من الله والله اني كنت ارجوا أن يسلم به الف من قومه، فيروى أنه أسلم ألف من قومه لما رأوه يتبرك بقميص النبي صلى الله عليه وسلم "۔

(تفسیر خازن، ج۳،ص۳۲۲)

ترجمہ۔ ''اور کہا شیخ محی الدین نووی نے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو اپنی قمیص مبارک اس کے کفن کے لئے صرف اس لئے دی کہ اس کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا دل خوش ہو جائے کیونکہ وہ نہایت صالح صحابی تھے اور انہوں نے حضور ﷺ سے یہ سوال کیا تھا جن کی استدعا حضور نے مان لی تھی، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضور نے اپنی وہ قمیص مبارک عبداللہ بن ابی کو محض اس کا بدلہ اُتارنے کے لئے دی تھی کیونکہ بدر کے موقع پر عبداللہ بن ابی نے آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنی قمیص پہنائی تھی، اور اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے عظیم الشان مکارم اخلاق کا بیان ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ عبداللہ بن ابی کی تمام ایذا رسانیوں کو جانتے تھے، اس کے باوجود بھی ایسی نیکیوں کے ساتھ اُس کو نوازا، اور اپنی قمیص مبارک اس کو کفن کے لئے دی اور اس پر نماز پڑھی اور اس کے لئے استغفار فرمایا، یہ سب حضور ﷺ کا کمال خلق عظیم ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا انك لعلىٰ خلق عظيم، اور بغوی نے کہا سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ عبداللہ بن ابی کا رسول اللہ ﷺ پر بظاہر احسان تھا، اس لئے حضور ﷺ نے چاہا کہ اپنی قمیص مبارک کے ذریعے اس کا احسان اُتار

دیں، اور مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن ابی کے ساتھ جو کچھ کیا تھا اس کے بارے میں حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ حضور ﷺ نے ایسے منافق کے ساتھ یہ برتاؤ کیونکر کیا، تو حضور ﷺ نے فرمایا میری قمیص اور نماز اللہ تعالیٰ کے عذاب کو اس سے بالکل دفع نہ کرے گی، خدا کی قسم مجھے اُمید تھی کہ اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام لائیں گے، چنانچہ مروی ہے کہ اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام لے آئے، جب اس کی قوم نے اسے دیکھا کہ حضور ﷺ کی قمیص مبارک سے تبرک کر رہا ہے"۔

تفسیر سراج المنیر، جلد ا، ص ۱۳۸۲ پر الفاظ یہ ہیں :

"فقال عمر رضی اللہ عنه لم تعط قمیصك للرجس النجس فقال ﷺ ان قمیصی لا یغنی عنه من اللہ شیئاً وانی أومل من اللہ ان یدخل فی الاسلام کثیر بهذا السبب فیروی انه اسلم الف من الخزرج لما رأوه طلب الاستشفاء بثوب رسول اللہ ﷺ" انتهیٰ

یہی روایت تفسیر ابن جریر طبری، طبع قاہرہ، ج ۱۱، ص ۶۱۴

تفسیر الجامع لاحکام القرآن قرطبی، طبع موسسۃ الرسالۃ، ج ۱۰، ص ۳۲۳

تفسیر کبیر رازی، طبع دار الفکر، بیروت، ج ۱۶، ص ۱۵۵

تفسیر روح المعانی، طبع ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، بیروت، ج ۱۰، ص ۱۵۴

تفسیر کشاف، طبع مکتبۃ الابیکۃ قاہرہ، ج ۳، ص ۷۹

تفسیر بیضاوی، طبع مکتبۃ الشیق، ترکیہ، ج ۲، ص ۴۴۵

تفسیر در منثور، طبع قاہرہ، ج ۷، ص ۴۷۹

تفسیر ابن ابی عطیہ، مطبع دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج ۳، ص ۶۷

تفسیر نسفی، موافق للمطبوع دار النفائس، بیروت، ج ۳، سورہ التوبہ

تفسیر نیشاپوری، طبع دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج ۳، ص ۵۱۳

فتح الباری شرح صحیح بخاری، طبع سعودیہ، ج ۸، ص ۱۹۴ وغیرہ میں بھی موجود ہے۔

کتب تفاسیر واحادیث کے ان حوالہ جات اور روایات سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا یقینی علم تھا کہ عبداللہ بن ابی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اور قمیص مبارک سے قطعاً کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔

رہا یہ امر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار منفی ہوتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اختیار کی نفی اس وقت ہوتی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ نفع پہنچانے کا ہوتا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مبارک ان صلوتی وقمیصی لا ینفعهٗ اور ولا یغنی عنه شیئا پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارادہ ہرگز نہ تھا، کیونکہ علم کے خلاف ارادہ نہیں ہوسکتا اور جب ارادہ ثابت نہ ہوا تو قدرت اور اختیار کی نفی کیسے ثابت ہوسکتی ہے، بلکہ ہماری منقولہ بالا روایات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت اور اختیار بھی ثبوت ملتا ہے، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ صلوٰۃ جس کا موجب راحت وسکون ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے، عبداللہ بن ابی کے حق میں غیر مفید رہی، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے فرمادیا تھا کہ لا ینفعه یہ اس کو نفع نہ دے گی، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس مبارک اور لعاب دہن اقدس کا مفید ہونا بھی دلائل شرعیہ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، مسلم شریف میں حضرت اسماء کی یہ حدیث موجود ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ مبارک سے اپنے مریضوں کے لئے شفاء طلب کیا کرتے اور لعاب دہن مبارک سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو شدید ترین امراض وتکالیف میں صحت وشفاء کا حصول بھی بے شمار احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، بلکہ دلائل شرعیہ کی روشنی میں میرا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آگ میں جلانے کا اثر جس قدر یقینی ہے اس سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس مبارک اور لعاب دہن اقدس کا مفید ہونا یقینی ہے، اس کے باوجود اس منافق کے حق میں قمیص مبارک اور لعاب دہن اقدس کا مفید نہ ہونا اسی طرح قدرت واختیار نبوی کی دلیل ہے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں نار نمرود کا ٹھنڈا ہونا اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی چمکتی ہوئی دلیل ہے، یعنی

نارِ نمرود باوجود محرق ہونے کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تکلیف نہ پہنچا سکی، اس لئے کہ ارادۂ الٰہیہ ایذاءِ خلیل کا مقتضیٰ نہ تھا، بس سمجھ لیجئے کہ دعائے حبیب اور قمیص پاک ولعاب شریف باوجود نافع اور مفید ہونے کے اس منافق عدواللہ کو نفع اور راحت نہ پہنچا سکے، محض اس لئے کہ ارادۂ حبیب راحت ومغفرتِ خبیث کا مقتضیٰ نہ تھا، جس کی دلیل وہی حدیث ہے جسے ہم تفاسیر جلیلہ اور احادیث عظیمہ سے نقل کر چکے ہیں۔

ہماری پیش کردہ اس حدیث کا آخری حصہ فیروی انه اسلم الف من قومه کو غور سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کے اس واقعہ میں اپنی طرف سے جو کچھ بھی کیا یعنی نماز، استغفار، اعطاء قمیص مبارک اور لعاب دہن اقدس ان سب چیزوں کا معرضِ ظہور میں آنا صرف اس لئے تھا کہ عبداللہ بن ابی کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام لے آئیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضور ﷺ کے ان کاموں کے بعد اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی فوراً ہی مسلمان ہو گئے اور جو کچھ حضور ﷺ کا ارادہ تھا وہ پورا ہو گیا، اس کے بعد حضور ﷺ کی لاعلمی اور عدمِ اختیار کا تصور ہی قائم نہیں ہو سکتا۔ (علامہ کاظمی علیہ الرحمہ کی تشریح یہاں ختم ہوئی)

(ماہنامہ السعید، ملتان، شمارہ جون ۱۹۶۲ء)

(مختلف تقاریر علامہ کاظمی، آڈیو کیسٹس مملوکہ حاجی محمد شفیع سعیدی زرگر مرحوم نزد ریلوے پھاٹک ممتاز آباد ملتان)

احقر خلیل احمد رانا عرض کرتا ہے کہ انٹرنیٹ پر ٹورنٹو (کینیڈا) سے ایک اسلامی بھائی نے مذکورہ مضمون پر چند سوالات کئے تھے، احقر نے اُن کو جواب دیا تو انہوں نے کہا کہ اَب مسئلہ میری سمجھ میں آگیا ہے، الحمدللہ

پہلا سوال انہوں نے یہ کیا کہ

عبداللہ بن ابی منافق کے بیٹے کی زیادہ دل جوئی تو اُس وقت ہوتی کہ اُس کے باپ کی مغفرت ہو جاتی ؟

جواب۔عرض ہے کہ جو کچھ قرآن مجید کی تفاسیر اور احادیث میں لکھا ہے وہ میں آپ کو بھیج چکا ہوں ، اگر حضور ﷺ عبداللہ بن ابی منافق کے بیٹے سے فرمادیتے کہ اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا لہذا میں نماز جنازہ نہیں پڑھاؤں گا تو پھر اُس کی دل شکنی ہوتی ، یہاں تک کہ آپ ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روکنے سے بھی نہ رکے ، اُس کے بیٹے کے تو سارے مطالبے آپ ﷺ نے پورے کئے ، حضور ﷺ نے تو کوئی کمی نہ چھوڑی ، یہ دل جوئی نہیں تو اور کیا ہے؟ عبداللہ بن ابی منافق کے بیٹے کو یہ تو پتا تھا کہ میرا باپ دشمن رسول ہے، پھر کیسے بخشش ہو سکتی تھی ، اللہ کا حکم حضرت عمر کو پتا تھا تو عبداللہ بن ابی منافق کے بیٹے کو بھی علم تھا، اور پھر صاف حکم آ گیا کہ ان پر نماز نہ پڑھیں، پھر وہ کیسے رنجیدہ ہو سکتا تھا، وہ مخلص صحابی تھا وہ اللہ ورسول کا حکم مانتا تھا۔

دوسرا سوال یہ تھا کہ

باران رحمت تو اچھی بُری دونوں جگہ پر ہوتی ہے، پھر اُس کی مغفرت کیوں نہ ہوئی ؟

جواب۔بارش جب برستی ہے تو وہ اچھے برے کی تمیز نہیں کرتی ، اس سے یہی مراد ہے کہ آپ نے غلبہ رحمت کی بنا پر یہ نہ دیکھا کہ یہ دشمن ہے بلکہ اس کی بھی مغفرت طلب کی۔

تیسرا سوال یہ تھا کہ

حضور ﷺ کا کام تو شفاعت کرنا ہے مغفرت کرنا نہیں ، کیا اس سے اختیارات کی نفی نہیں ہوتی ؟ مختار کل تو جسے چاہے معاف کر سکتا ہے۔

جواب۔ میرے خیال میں آپ کا مرکزی سوال یہ ہے کہ پھر آپ ﷺ کا مختار کل ہونا کہاں گیا؟

اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مختار ہونے میں کسی کا محتاج نہیں ، اللہ تعالیٰ کو اختیار

کسی سے عطا نہیں ہوا، بلکہ ذاتی ہے، بندہ مختار ہونے میں محتاج ہے۔

مشرکین کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان بتوں کو الوہیت دے دی ہے، لہذا اب اللہ تعالیٰ کوئی کام نہ کرے اور یہ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں، کیونکہ اللہ نے اب ان کو اپنے حکم میں نہیں رکھا اور استقلال کی صفت ان کو دے دی کہ میرا حکم نہ بھی ہو تو تم کام کر سکتے ہو، یہ تھا ان جاہلوں کا اعتقاد، حالانکہ جو چیز مخلوق ہے وہ مستقل نہیں ہو سکتی۔

اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ آپ ﷺ باذن اللہ مختار کل ہیں، اللہ تعالیٰ کے اذن اور مشیت کے تحت مختار کل ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا **وما تشاء ون الا ان یشاء اللہ** (سورۃ الدہر، آیت ۳۰) ''اور تم نہیں چاہ سکتے جب تک اللہ نہ چاہے'' یعنی آپ وہ چاہتے ہی نہیں جو اللہ نہ چاہے۔ تو پھر آپ ﷺ کیسے اللہ تعالیٰ کے اذن اور مشیت کے خلاف اس کو بخشوا سکتے تھے۔ حضور ﷺ کا ہر کام اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہے۔ حضور ﷺ سے اختیارات کی نفی جن دلائل سے لوگ ثابت کرنے کی مذموم کوشش کرتے ہیں، انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ان سب کا مفاد صرف یہ ہے کہ حکم خداوندی کے خلاف اور مشیت الٰہیہ کے منافی حضور ﷺ کے لئے قطعاً کوئی حکم یا اختیار حاصل نہیں ہے، عطاء الٰہی سے آپ ﷺ کے لئے اختیارات ماننا درست عقیدہ ہے۔

مخالفین اہل سنت لفظ مختار کل میں ''کل'' سے غلط مراد لیتے ہیں، کہتے ہیں کہ اگر آپ مختار کل ہیں تو فلاں کام کیوں نہ کیا، یعنی وہ مشرکین والا عقیدہ مراد لیتے ہیں کہ جب آپ مختار کل ہیں تو اللہ کے اذن اور مشیت کی کیا ضرورت ہے، آپ اپنی مرضی سے ہر کام کر سکتے ہیں۔

اہل سنت کے نزدیک مختار کل سے مراد یہ ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کے نائب ہونے کی حیثیت سے ہر ایک پر بااختیار''۔ نائب ہونے میں اذن و مشیت دونوں آ گئے۔

ناکارہ خلیل احمد رانا